مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

ڈاکٹر حافظ افتخار احمد
لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ (اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور)

اللہ تعالی نے بنی نوع انسان پر جو الطاف وعنایات کیے ان میں سب سے بڑا کرم اور احسان قرآن کریم ہے، قرآن کریم اس جہان فانی میں وہ نعمت بے بہا ہے کہ ساری دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں ہے سب مل کر اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔

انسان کی سب سے بڑی سعادت اور خوش قسمتی اپنی استطاعت کے مطابق قرآن کریم میں مشغول ہونا اور اس کے علوم و معارف حاصل کرنا ہے، اور سب سے بڑی بد نصیبی اس سے اعراض اور اس کو ترک کرنا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان پر قرآن کریم پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں۔

۱۔ اس پر ایمان لائے۔
۲۔ اس کی تلاوت کرے۔
۳۔ اس میں تدبر، غور وفکر کرے۔
۴۔ اس کی تعلیمات پر عمل کرے۔
۵۔ اس کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچائے۔

۱۔ قرآن کریم کا پہلا حق اس پر ایمان لایا جائے

اللہ تعالی نے انسانوں کو پیدا کر کے ان کی جسمانی اور روحانی تمام ضرورتوں کا انتظام فرمایا ہے۔

جسمانی ضروریات کی تکمیل کے لئے زمین میں مخفی خزانوں سے استفادہ کا حکم دیا ہے۔ اور اس میں موجود اشیاء انسان کے لئے حلال کی ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هو الذی خلق لكم ما فی الارض جمیعا﴾ ترجمہ اس نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے بنایا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الم تر ان الله سخر لكم ما فی الارض﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کی ہر چیز کو مسخر کیا ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع﴾: ترجمہ: اور جانوروں کو پیدا کیا تمہارے لئے ان کی اون میں گرمی ہے اور دوسرے فائدے ہیں، بارش اس سے اگنے والی سبزیاں اور درخت بھی انسانوں کے فائدے کے لئے ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿هو الذی انزل من ا لسماء ماء ا لكم منه شراب ومنه شجر فيه تسيمون ينبت لكم به الزرع والزيتون والنخيل والاعناب ومن كل الثمرات﴾ : ترجمہ: اس (خدا) نے آسمان سے تمہارے لئے پانی اتارا اس میں سے کچھ تم پیتے ہو اور کچھ درخت اگتے ہیں، جن میں جانور چراتے ہو، وہی (خدا) تمہارے لئے کھیتی اور زیتون چھوہارے اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔

زمین کے علاوہ رات، دن، چاند، سورج، اور ستارے بھی انسانوں کے لئے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وسخر لكم الليل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره﴾: ترجمہ: اور اس نے رات اور دن اور چاند اور سورج کو تمہارے لئے کام میں لگایا اور ستارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دریا اور اس کی روانی بھی انسانوں کے لئے پیدا فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وهو الذی سخر البحر لتاكلوا منه لحما طريا وتستخرجوا منه حلية

تلبسونها وترى الفلك مواخر فيه ولتبتغوا من فضله ولعلكم تشكرون﴾۔

ترجمہ: اور وہی (خدا) ہے جس نے دریا کو کام لگایا ہے تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے آرائش کے موتی پہننے کو نکالو اور تم دیکھتے ہو کشتیاں سمندر کو پھاڑ کر چلتی ہیں اور تا کہ تم خدا کی مہربانی کو ڈھونڈو اور شاید تم اس کا شکر کرو۔

ان آیات کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جہاں رنگ و بو میں اور نظر نہ آنے والی اشیاء حضرت انسان کے فائدے کے لئے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالی نے انسانوں کی ورحانی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انبیاء علیھم السلام کا سلسلہ شروع فرمایا، ارشاد باری تعالی ہے۔﴿وان من امة الا خلا فيها نذير﴾ (۷): ترجمہ اور نہیں ہے کوئی قوم مگر یہ ہے کہ اس میں گزر چکا ہے ایک ڈرانے والا.

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿ولكل قوم هاد﴾ (۸): ترجمہ اور ہر قوم کے لئے دنیا میں رہبر ہے۔

اس سلسہ انبیاء علیھم السلام کی آخری کڑی حضور اکرم کی بعثت ہے اور قرآن کریم اللہ تعالی کی آخری کتاب ھدایت ہے، اب قیامت تک نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی کتاب۔

یہ بھی اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے ہر شخص پر مسلمان ہونے کے لئے لازمی قرار دیا ہے کہ وہ پچھلی تمام کتابوں پر ایمان لائے ورنہ مسلمان نہیں ہوگا۔ نیز یہ کہ وہ تمام پیغمبروں اور گذشتہ رسولوں پر بھی یقین رکھے، خواہ ان کے نام قرآن کریم میں مذکور ہوں یا نہ ہوں، ان تمام کو سچا راست باز ماننا اس کے مسلمان ہونے کے لئے ایک لازمی تقاضا ہے ورنہ اس کا اسلام قابل قبول نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں فرق صرف اتنا ہے کہ آج ان کتابوں پر ایمان اس طرح ہوگا جو کچھ اللہ تعالی نے ان کتابوں میں نازل فرمایا تھا، وہ سب کا سب حق ہے۔اور اس زمانے میں وہی واجب العمل تھا۔

مگر اللہ تعالی کی آخری کتاب قرآن کریم کے نازل ہونے کے بعد چونکہ پچھلی کتابیں اور شریعتیں سب منسوخ ہوگئیں، اس لئے اب عمل صرف قرآن کریم پر ہی ہوگا۔

گذشتہ کتب سماویہ پر ایمان لانا قرآن کریم پر ایمان لانے کے ساتھ ضروری ہے اس بات کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے ذیل بطور مثال چند آیات ذکر کرتے ہیں مثلاً متقین کی صفات کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

۱۔﴿والذین یؤمنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك﴾ : (۹) ترجمہ جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اے محمد تم پر اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا۔

۲۔ایک اور جگہ ارشاد ہے:﴿لکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملائکۃ والکتاب والنبیین﴾(۱۰): ترجمہ: لیکن نیکی اس کی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور تمام نبیوں پر ایمان لائے۔

۳۔ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:﴿کل آمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ﴾(۱۱): ترجمہ سب ایمان لائے خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر باہم فرق نہیں کرتے ،یعنی یہ نہیں کرسکتے کہ بعض رسولوں پر ایمان اور بعض پر ایمان نہ لائیں، اس آیت کے پہلے جملے میں جو طرز بیان اختیار فرمایا ہے وہ بڑا عجیب وغریب ہے کہ جس طرح حضور ﷺ کا اپنی وحی پر ایمان واعتقاد ہے اسی طرح تمام مؤمنین کا بھی اعتقاد ہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون﴾(۱۲):پہلے پورا جملہ رسول اکرم ﷺ کے ایمان کے ذکر میں لایا گیا ہے اس کے بعد مؤمنین کا علیحدہ تذکرہ کیا گیا ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ نفس ایمان میں حضور اکرم ﷺ اور سب مسلمان شریک ہیں لیکن درجات ایمان کے اعتبار سے ان دونوں میں بڑا فرق ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا علم مشاہدہ اور سماع کی بنا پر

ہے اور دوسرے مسلمانوں کا علم ایمان بالغیب حضور اکرم ﷺ کی رؤیت کی بناء پر ہے۔

اس کے بعد اس ایمان مجمل کی تفصیل بتلائی جو حضور اکرم ﷺ اور تمام مؤمنین میں مشترک تھا وہ ایمان تھا اللہ تعالی کے موجود اور ایک ہونے پر اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف ہونے پر، اور فرشتوں کے موجود ہونے پر اور اللہ تعالی کی کتابوں اور سب رسولوں کے سچے ہونے پر۔

اس کے بعد اس کی وضاحت فرمائی کہ اس امت کے مؤمنین پچھلی امتوں کی طرح ایسا نہ کریں گے کہ اللہ کے رسولوں میں باہمی تفرقہ ڈالیں اور بعض کو نبی مانیں اور بعض کو نبی نہ مانیں جیسے کہ یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور نصاری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانا اور حضور اکرم ﷺ کو تو نبی نہ مانا، بلکہ تمام مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ:

﴿یا ایها الذین امنوا امنوا باالله ورسوله والکتاب الذی نزل علی رسوله والکتاب الذی انزل من قبل﴾(۱۳)

ترجمہ: اے ایمان والوں! ایمان لاؤ! خدا پر اور اس کے رسولوں پر، اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر اتاری اور ان کتابوں پر پہلے اتاری گئیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی مذہب کا پیروکار اپنے نبی کی کتاب پر ایمان لاتا ہے اور دیگر تمام کتب کا انکار کر کے وہ اپنے مذہب میں سچا ہو سکتا ہے لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی آخری کتاب پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ دیگر تمام آسمانی کتب پر ایمان لائے کیونکہ ان میں سے کسی کا بھی انکار کرنے والا مسلمان نہیں ہوسکتا۔

۲۔قرآن مجید کا دوسرا حق: اس کی تلاوت کی جائے۔

قرآن کریم کی تلاوت بھی ذکر الٰہی میں شمار ہوتا ہے اس لئے مختلف حالتوں میں پڑھا جاسکتا ہے، اور ہر کام کا اجر وثواب مختلف ہوگا۔ صاحب احیاء (امام غزالی) نے حضرت علیؓ سے نقل

کیا ہے کہ: جس شخص نے نماز میں کھڑے ہوکر کلام پاک پڑھا اس کو ہر آیت پر سو (۱۰۰) نیکیاں ملیں گی، اور جس شخص نے نماز میں بیٹھ کر پڑھا اس کو پچاس (۵۰) نیکیاں، اور جس نے بغیر نماز کے وضو کے ساتھ پڑھا اس کے لئے پچیس (۲۵) نیکیاں۔ اور جس نے بلاوضو پڑھا اس کے لئے دس (۱۰) نیکیاں، اور جس شخص نے پڑھے نہیں بللہ صرف پڑھنے والے کے طرف کان لگا کر سنے اس کے لئے بھی ہر حرف کے لئے ایک نیکی ہے۔ (۱۴)۔

حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے:

قال النبی ﷺ قراء ة القرآن فی الصلوة افضل من قراء ة القرآن فی غیر الصلوة وقراء ة القران في غیر الصلوة افضل من التسبیح افضل والتکبھر والتسبیح افضل من الصدقة والصدقة افضل من الصوم والصوم جنة من النار۔

حضور نے ﷺ فرمایا کہ نماز میں قرآن کریم کی تلاوت بغیر نماز کی تلاوت کے افضل ہے، اور بغیر نماز کی تلاوت تسبیح وتکبیر سے، اور تسبیح صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ آگ سے بچاؤ ہے۔

ایک اور حدیث سے بھی جسے عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے تلاوت قرآن کریم کی فضیلت پر روشنی پڑتی ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ من قرا حرفا من کتاب الله فله حسنة والحسنة بعشر امثالها، لا اقول الم حرف، بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف (۱۶)۔

ابن مسعودؓ نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے بدلے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ سارا الم ایک حرف بلکہ الف ایک حرف لام ایک حرف میم ایک حرف ہے۔

مقصد یہ ہے کہ جس طرح اور اعمال میں پورا عمل ایک شمار ہوتا ہے کلام اللہ میں ایسے نہیں ہے بلکہ اجزائی عمل بھی پورے شمار ہوتے ھیں اور اس کے لئے قرآن کریم کی تلاوت میں ہر حرف ایک ایک نیکی شمار کی جاتی ہے، اور ہر نیکی پر اللہ تعالی کی طرف سے: ﴿من جاء بالحسنة فله عشر امثالها﴾ اور جو شخص ایک نیکی لائے اس کو دس نیکی کے بقدر اجر ملتا ہے، یہ کم از کم ہے۔ ﴿والله يضاعف لمن يشاء﴾ اللہ تعالی جس کے لئے چاہتے ھیں اجر زیادہ فرما دیتے ھیں۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ تعلموا القرآن فاقرؤه وارقدوا فان مثل القرآن من تعلم فقام به كمثل جراب محشو مسك يفوح ريحه كل مكان، ومثل من تعلمه ورقد وهو في جوفه كمثل جراب اوكي على مسك (١٧)۔

حضرت ابو ھریرةؓ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن کریم کو سیکھو پھر اسکو پڑھو اس لئے کہ جو شخص قرآن کریم سیکھتا ہے اور پڑھتا ہے اور تھجد میں اس کو پڑھتا ہے اس کی مثال اس تھیلی کی سی ھے جو مشک سے بھری ہوئی ھو اس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے، اور جس شخص نے سیکھا پھر سو گیا اس کی مثال اس مشک کی تھیلی کی ھے جس کا منہ بند کر دیا گیا ھو۔

اب ہم ذیل میں سلف صالحین کی تلاوت کا حال ذکر کرتے ہیں اس کی روشنی میں ہم اپنا جائزہ لیے سکتے ہیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔

حضرت عثمانؓ سے مروی ھے کہ بعض مرتبہ وتر کی ایک رکعت میں وہ تمام قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی ایک رات میں تمام قرآن کریم پورا فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ دو رکعت میں کعبہ کے اندر تمام قرآن کریم پڑھا، ثابت بنانیؒ دن رات میں ایک قرآن کریم ختم کرتے تھے۔

اھل تاریخ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ رمضان میں اکسٹھ قرآن کریم پڑھے تھے،

ایک دن کا اور ایک رات کا، اور ایک تمام رمضان شریف میں تراویح کا۔(۱۸)۔

امام ابوحنیفہ صاحبؒ کا قول ہے کہ سال میں دومرتبہ ختم قرآن کریم کا مسلمان پر حق ہے۔

ایک حدیث میں وارد ھے کہ: کلام پاک کا ختم اگر دن کے شروع میں ھوتو تمام دن اور اگر رات کے شروع میں ھوتو تمام رات فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعاء کرتے ھیں،اس سے بعض علماء نے استنباط فرمایا ہے کہ گرمی کے ایام میں دن کے ابتداء میں ختم کرے اور موسم سرما میں ابتداء شب میں تاکہ بہت سا وقت فرشتوں کی دعا کا میسر ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زیادہ سے زیادہ اپنے کلام پاک کی تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

انسان جب قرآن کریم کی تلاوت کرے تو اس کلام اور صاحب کلام کی عظمت و بڑائی کا صدق دل سے خیال رکھے کہ وہ احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ سلطان السلاطین کا فرمان ہے اس سطوت وجبروت والے بادشاہ کا قانون ہے کہ جس کی برابری نہ کوئی کرسکتا ہے اور نہ کوئی کسی بڑے سے بڑے سے ہو ہی سکتی ہے۔

حضرت عکرمہؓ جب کلام پاک پڑھنے کے لئے کھولا کرتے تھے تو بیہوش ہوکر گرجاتے تھے اور زبان پر یہ کلمات جاری ہوجاتے: ھذا کلام ربی۔ھذا کلام ربی، یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے۔

صوفیاء نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے کو قراءت کے آداب قاصر سمجھتا رہے گا وہ قرب کے مراتب میں ترقی کرتا رہے گا،اور جو اپنے کو رضا و عجب سے دیکھے وہ ترقی سے دور ہوگا۔(۱۹)۔

اب ہم مختصرا تلاوت قرآن کریم کے آداب ذکر کرتے ہیں:

مسواک اور وضو کے بعد یکسوئی کی جگہ نہایت وقار و تواضع کے ساتھ رو بہ قبلہ بیٹھے۔ اور نہایت ہی حضور قلب اور خشوع کے ساتھ اس لطف جو اس جگہ کے مناسب ہے اس طرح اس کی تلاوت کرے

گویا وہ خود حق تعالی شانہ کو کلام سنا رہا ہے، اور اگر معنی سمجھتا ہو تو تدبر و تفکر کے ساتھ آیات وعدہ رحمت پر دعائے مغفرت مانگے اور آیات عذاب پر اللہ تعالی سے پناہ مانگے۔

اور اگر یاد کرنا مقصود ہو تو پڑھنے میں جلدی نہ کرے، اور اگر دوران قراءت کوئی ضرورت پیش آجائے تو کلام پاک کو بند کرکے بات کرے۔ اور پھر اس کے بعد (اعوذ) سے دوبارہ شروع کرے۔ اگر مجمع میں کچھ لوگ اپنے کام (نماز، ذکر وغیرہ) میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھنا افضل ہے، ورنہ آواز سے پڑھنا بھتر ہے، مشائخ نے قرآن کریم کی تلاوت کے چھ ظاہری اور چھ باطنی آداب لکھے ہیں جو یہ ہیں:

ظاہری آداب:

ا۔ نہایت احترام سے باوضو قبلہ رو ہو کر بیٹھے۔

۲۔ پڑھنے میں جلدی نہ کرے، بلکہ ترتیل سے پڑھے، قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ورتل القرآن ترتيلا﴾ (۲۰)۔

امام راغب مفردات القرآن میں لفظ ترتیل کا معنی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ترتیل کے لفظی معنی کلمے کو سہولت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں۔(۲۱)۔

امام قرطبی اپنی کتاب (الجامع لاحکام القرآن) میں فرماتے ہیں کہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ تلاوت قرآن میں جلدی نہ کرے بلکہ ترتیل و تسھیل کے ساتھ ادا کرے اور ساتھ ہی اس معنی پر تدبر وغور کرے (۲۲)۔

ظاہری آداب کی چند اہم باتیں:

ا۔ ظاہری پاکیزگی: ارشاد باری تعالی ہے: ﴿لايمسه الا المطهرون﴾ (۲۳) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: لايمس القرآن الا طاهر: (۲۴)، اور قرآن پاک کو صرف پاک

لوگ ہی ہاتھ لگائیں، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:
لایمس القرآن الا طاھر (۲۵): کہ قرآن پاک کو بجز پاک آدمی کے کوئی ہاتھ نہ لگائے، مندرجہ بالا نصوص کی بناء پر علماء نے درج ذیل امور کا استنباط کیا ہے:

ا۔ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن پاک کو ہاتھ لگانے کیلئے طہارت شرط ہے، اس کے خلاف کرنا گناہ ہے، یہاں طہارت سے مراد ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک ہونا، باوضو ہونا، اور حالت جنابت میں نہ ہونا شامل ہے، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سعید بن زید، حضرت عطاء زہری، امام مالکؒ، امام محمد بن ادریس الشافعیؒ، اور امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

۲۔ قرآن کریم کا غلاف جو جلد کے ساتھ ملا ہوا ہو وہ بھی قرآن کریم کے حکم میں ہے، اس کو بھی بغیر وضو ہاتھ لگانا بالاتفاق ناجائز ہے، البتہ قرآن کریم کا جزدان جو علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے اگر اس میں قرآن کریم بند ہو تو اس جزدان کے ساتھ قرآن کریم کو ہاتھ لگانا بلا وضو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، مگر امام شافعی کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے۔

۳۔ جو کپڑا آدمی نے پہنا ہوا اس کی آستین یا دامن سے قرآن کریم کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں، البتہ علیحدہ رومال یا چادر سے چھوا جا سکتا ہے۔

۴۔ نیز اس آیت سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ حیض و نفاس اور جنابت کی حالت قرآن کریم کی تلاوت بھی جائز نہیں جب تک غسل نہ کرے، کیونکہ مصحف میں لکھے ہوئے حروف و نقوش کی جب تعظیم واجب ہے تو اصل حروف جو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان کی تعظیم اس سے زیادہ اہم اور واجب ہونا چاہیے۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ بے وضو آدمی کو بھی تلاوت قرآن کریم جائز نہ ہو، مگر حضرت ابن عباسؓ کی روایت جو بخاری اور مسلم میں ہے اس سے بغیر وضو کے قرآن کریم کی تلاوت فرمانا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے اس لئے فقہاء نے بلا وضو تلاوت کی اجازت دی ہے (۲۶)۔

ترتیل کے متعلق شاہ عبدالعزیز نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ:

ترتیل لغت میں صاف اور واضح طور پر پڑھنے کو کہتے ہیں اور شرع میں کئی چیزوں کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنے کو کہتے ہیں۔

ا۔اول حرف کو صحیح مخارج سے نکالنا ہر حرف کو اس کے اصلی مخرج سے نکالنا کہ (ط) کی جگہ (ت) اور (ضاد) کی جگہ (ظا) نہ نکلے۔

۲۔وقوف کی جگہ اچھی طرح ٹھرنا تاکہ قطع کلام بے محل نہ ہو جائے۔

۳۔حرکتوں میں اتباع کرنا، یعنی زبر، زیر، پیش کو اچھی طرح ظاہر کرنا۔

۴۔آواز تھوڑا سا بلند کرنا تاکہ کلام پاک کے الفاظ زبان سے نکل کر کانوں تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اثر کرے۔

۵۔آواز کو ایسی طرح درست کرنا کہ اس میں درد پیدا ہو جائے اور دل پر جلدی اثر کرے، درد والی آواز دل پر جلدی اثر کرتی ہے۔اور اس سے روح کو قوت اور تاثر زیادہ ہوتا ہے۔اسی وجہ سے اطباء نے کہا ہے کہ جس دوا کا اثر دل پر پہنچانا ہو اس کو خوشبو میں ملا کر دیا جائے کہ دل اس کو جلدی کھینچتا ہے، اور اگر دوا کا اثر جگر میں پہنچانا ہو تو اس کو شیرینی میں ملایا جائے کہ جگر مٹھائی کا جاذب ہے۔ اس وجہ سے بندہ (شاہ صاحب) کے نزدیک اگر تلاوت میں خوشبو کا خاص استعمال کیا جائے تو دل پر تاثیر میں زیادہ تقویت ہوگی۔

۶۔تشدید اور مد کو اچھی طرح ظاہر کیا جائے کہ اس کے اظہار سے کلام پاک کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔اور تاثیر میں اعانت ہوتی ہے۔

۷۔آیات رحمت وعذاب کا حق ادا کرے جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔(۲۷)۔

یہ سات چیزیں ہیں جن کی رعایت ترتیل کہلاتی ہے۔اور ان سب کا مقصد صرف ایک ہے یعنی کلام پاک کا فہم وتدبر۔حضرت ام سلمہؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کلام اللہ شریف کی

تلاوت کس طرح فرمایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ: سب حرکتوں کو بڑھاتے تھے۔ یعنی زبر، زیر وغیرہ کو پورا نکالتے تھے اور ایک ایک حرف الگ الگ ظاہر ہوتا تھا۔(۲۸)۔

اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ ترتیل سے تلاوت مستحب ہے اگر معنی نہ سمجھتا ہو، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ترتیل سے (القارعہ) اور (اذا زلزلت) پڑھو یہ اس سے بہتر ہے کہ بلا ترتیل سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران پڑھوں۔(۲۹)۔

نیز یہ کہ اگر کسی مسلمان کی تکلیف کا اندیشہ ہو یا ریا کاری کا خوف ہو تو آہستہ تلاوت کرے ورنہ بلند آواز سے۔

نیز یہ کہ خوش الحانی سے پڑھے کیونکہ خوش الحانی سے قرآن پاک پڑھنے کی تاکید بہت سی احادیث میں آئی ہے۔(۳۰) عن ابی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ ما اذن الله لشيء وما اذن لنبي يتغنى بالقرآن (۱۳) حضرت ابو ہریرۃؓ نے رسول اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہ اتنا کسی کی طرف توجہ نہیں فرماتے جتنا کہ اس نبی کی آواز کو توجہ سے سنتے ہیں، جو کلام الٰہی خوش الحانی سے پڑھتا ہو، پڑھنے والوں میں انبیاء علیہم السلام چونکہ آداب تلاوت کی پوری رعایت رکھ کر اچھے طریقے سے تلاوت کرتے ہیں اس لئے ان کی طرف زیادہ توجہ ہونا بھی ظاہر ہے، پھر جب حسن آواز بھی ہو تو سونے پر سہاگا ہے۔ جتنی بھی توجہ ہو ظاہر ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد الافضل فالافضل حسب حیثیت پڑھنے والے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

عن فضالة بن عبيدؓ قال قال رسول الله ﷺ الله اشد آذانا الى قارىء القرآن من صاحب القينة الى قينته (۳۲) حضرت فضالہ بن عبیدؓ نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاری کی آواز کی طرف اس شخص سے زیادہ کان لگاتے ہیں جو اپنی گانے والی باندی کا گانا سن رہا ہو۔

قرآن پاک کو گانے کی آواز میں نہ پڑھا جائے کیونکہ احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے،

ایک حدیث میں ہے: ایاکم ولحون العشق : یعنی اس سے بچو کہ جس طرح عاشق غزلوں کو آواز بنا کر موسیقی کے قوانین کے مطابق پڑھتے ہیں اس طرح مت پڑھو، علماء نے لکھا ہے کہ اس طرح پڑھنے والا فاسق اور سننے والا گنہگار ہے، مگر گانے کی رعایت کئے بغیر خوش الحانی (آوازی) مطلوب ہے، کئی احادیث میں اس کی تاکید آئی ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے: اچھی آواز سے قرآن کو مزین کرو، ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ اچھی آواز سے کلام اللہ کا حسن دوبالا جاتا ہے۔ (۴۳)۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن پاک کو عرب کی آواز میں پڑھو، عشق بازوں اور یہود و نصاری کی آواز میں مت پڑھو، عنقریب ایک قوم آنے والی ہے جو گانے اور نوحہ کرنے والوں کی طرح قرآن حکیم کو بنا بنا کر پڑھے گی۔ خود بھی وہ لوگ فتنے میں مبتلا ہوں گے اور جن کو وہ پڑھنا اچھا معلوم ہو گا ان کو بھی فتنہ میں ڈالیں گے (۴۴)۔

حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ اچھی آواز سے تلاوت کرنے والا کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص کہ جب تو اس کو تلاوت کرتے دیکھے تو محسوس کرے کہ اس پر اللہ کا خوف ہے، یعنی اس کی آواز سے مرعوب ہونا محسوس ہوتا ہو، ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالی شانہ کی طرف سے ایک فرشتہ اس کام پر مقرر ہے جو شخص کلام پاک کو پڑھے اور کما حقہ اس کو درست نہ پڑھ سکے تو وہ فرشتہ اس کو درست کرنے کے بعد اوپر لے جاتا ہے (۴۵)۔

باطنی آداب:

ا۔کلام پاک کی عظمت دل میں رکھے کہ کیسا عالی مرتبہ کلام ہے۔

۲۔حق تعالی شانہ کی علوشان اور رفعت و کبریائی کو دل میں رکھے جس کا کلام ہے۔

۳۔دل کو وساوس اور خطرات سے پاک رکھے۔

۴۔معانی کا تدبر کرے اور لذت کے ساتھ پڑھے(۳۶)۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک رات اس آیت کو پڑھ کر گزار دی: ﴿ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم﴾: (۳۷) اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو ان کو معاف فرمادے تو عزت و حکمت والا ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے ایک رات اس آیت کو پڑھ کر صبح کر دی: ﴿وامتازوا الیوم ایھا المجرمون﴾(۳۸) او مجرموں! آج قیامت کے دن فرمابرداروں سے الگ ہو جاؤ۔

۵۔جن آیات کی تلاوت کر رہا ہوں دل کا تابع بنائے،مثلا اگر آیت رحمت زبان پر ہو تو دل سرور محض بنا جائے، اور اگر آیت عذاب زبان پر ہو تو دل لرز جائے۔

۶۔ کانون کو اس درجہ متوجہ بنادے کہ گویا خود حق شانہ وتقدس کلام فرمارہے ہیں اور یہ سن رہا ہے، اللہ تعالی اپنے لطف وکرم سے ہمیں بھی ایسی تلاوت کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین۔

۳۔قرآن کریم کا تیسرا حق: اس کے معانی ومفاہیم پر غور وفکر کیا جائے:

اور عقل وتدبر سے کام لے کر اس میں پوشیدہ حکمتوں کو تلاش کرنے سعی وکوشش کی جائے، اور مخفی گوشوں کو انسانوں کے سامنے پیش کیا جائے، باقی رہے اس کی عجائبات وہ تو قیامت تک ختم نہیں ہو گے۔

دنیا کی کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس نے عقل سے کام لینے پر اتنا زور دیا جتنا زور قرآن کریم نے دیا ہے، عقل وفہم کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کو قرآن کریم نے مختلف الفاظ سے واضح کیا ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں مثلا:

۱۔لفظ حکمت۔ارشاد باری تعالی ہے:﴿ویعلمھم الکتاب والحکمة﴾(۳۹) یہ رسول تمہیں کتاب اور حکمت ودانائی کی تعلیم دیتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیر ا ﴾(۴۰) جسے حکمت ودانائی عطا ہوئی اسے بے شمار بھلائیاں مل گئیں۔

۲۔لفظ لب: اللہ تعالی کاارشاد ہے: ﴿وما یذکر الا اولوا الالباب ﴾:(۴۱) اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۳۔لفظ بصیرت: ارشاد باری تعالی ہے: ﴿فاعتبروا یا اولی الابصار ﴾: (۴۲) عقل والو عبرت حاصل کرو۔

۴۔لفظ فقہ: ارشاد باری تعالی ہے: ﴿لو کانوا یفقھون ﴾(۴۳) کاش یہ سمجھ سے کام لیتے۔

۵۔لفظ شعور: ارشاد باری تعالی ہے : ﴿وما یشعرون ﴾: (۴۴) یہ شعور سے کام نہیں لیتے۔

۶۔لفظ عقل: ارشاد باری تعالی ہے: ﴿افلا تعقلون ﴾(۴۵) کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟۔

۷۔ لفظ تفکر: ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ان فی ذلك لایات لقوم یتفکرون ﴾(۴۶) اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

۸۔لفظ تدبر: ارشاد باری تعالی ہے: ﴿افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا ﴾(۴۷) یہ قرآن کریم میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟۔

۹۔لفظ توسم: ارشاد باری تعالی ہے : ﴿ان فی ذلك لایات للمتوسمین ﴾ (۴۸) اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

ان میں ہر لفظ عقل وتدبر کے ایک ایک الگ پہلو کو واضح کرتا ہے، اور کسی بھی صاحب عقل وشعور سے ان الفاظ کے تیور پوشیدہ نہیں، ہر لفظ عقل ودانائی، تدبر، وتفقد، اور حکمت وبصیرت کی

ترغیب سے بھرپور ہے۔ لیکن اس حقیقت کو قرآن کریم نے جس انداز سے حکمت کی انتہاء تک پہنچایا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالی ہے:

۱۔﴿صم بكم عمى فهم لا يرجعون﴾(۴۹) یہ کفار بہرے، گونگے، اندھے ہیں اس لئے عقل سے کام نہیں لیتے۔

۲۔﴿ان شر الدواب عندالله الصم البكم الذين لايعقلون﴾(۵۰) اللہ تعالی کی نگاہ میں بدترین مخلوق وہ بہرے گونگے ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

۳۔ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ويجعل الرجس على الذين لايعقلون﴾(۵۱) جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان پر اللہ تعالی پلیدی ڈال دیتا ہے۔

۴۔ایک جگہ قیامت کے دن کفار کے عذر لنگ کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: ﴿وقالوا لو كنا نسمع او نعقل ما كنا فى اصحاب السعير﴾ (۵۲) منکرین (قیامت کے دن) کہیں گے کہ اگر ہم نے سنا (ہوتا) اور عقل سے کام لیا ہوتا تو ہم جہنمی نہ بنتے۔

انسان اگر غور و فکر کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ عقل اور بے عقلی کی برائی میں اس سے بھی زیادہ کچھ کہا جا سکتا ہے؟۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا واضح آیات کے ذکر کرنے کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی تاہم مزید وضاحت کے لئے ہم ذیل میں احادیث ذکر کرتے ہیں تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو سکے اور نکھر کر سامنے آجائے۔

۱۔عن ابن عباس انه دخل على عائشة فقال ياا م المؤمنين ارايت الرجل يقل قيامه ويكثر رقاده، وآخر يكثر قيامه ويقل رقاده ايهما احب اليك؟ قالت: سالت رسول الله ﷺ كما سالتنى عنه، فقال احسنهما عقلا، قلت: يا رسول الله ﷺ اسئلك عن عبادهما، فقال : عائشه انهما يسئلان عن

ع قولهما ممن كان اعقل كان افضل فى الدنيا والاخرة (۵۳)۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس اور دریافت کیا کہ ام المؤمنین ذرا بتلائیں کہ ایک شخص ہے جو شب بیداری کم اور آرام زیادہ کرتا ہے، اور دوسرا شخص شب بیداری زیادہ اور آرام کم کرتا ہے آپ کو ان دونوں میں کون سا زیادہ پیارا ہے؟ تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ جو سوال تم نے مجھ سے کیا ہے بعینہ یہی سوال میں نے رسول اکرم ﷺ سے کیا تھا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا تھا: ان دونوں میں سے جس کی عقل زیادہ ہو۔ (وہی مجھی زیادہ محبوب ہوگا) میں (عائشہ) نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں تو ان دونوں کی عبادت کے بارے میں سوال کر رہی ہوں۔ (اور آپ ﷺ ان کی عقل کے بارے میں جواب دے رہے ہیں) تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ ان دونوں سے باز پرس تو عقل ہی کی بارے میں ہوگی، پس جو زیادہ صاحب عقل ہوگا وہی افضل ہوگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے واضح ہوتا ہے کہ شب زندہ داری اور عبادت و ریاضت کا مقصد محض چند کلمات و حرکات یا چند مراسم کی ادائیگی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد عقل و شعور اور فقہ و بصیرت پیدا کرنا عقل کے متعلق باز پرس (انهما يسئلان عن عقولهما) بڑی معنی خیز بات ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ باز پرس نہیں ہوگی کہ تم نے کتنی تہجد پڑھی؟ مگر یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ اس تہجد اور شب بیداری سے اپنے اندر عقل و تفکر کی کتنی قوت و صلاحیت پیدا کی؟ اور اسے تمہارے سمجھ بوجھ میں کتنا اضافہ ہوا؟ اور امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کو عبادات کے ذریعے بے عقل بنانا نہیں چاہتا بلکہ ارتقاء پزیر عقل کو بام عروج پر پہنچانا چاہتا ہے۔

۲۔ عن عبدالله بن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ : لا تعجبوا باسلام امرىء حتى تعرفوا عقدة عقله:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ کسی کے اسلام سے اس وقت تک خوش نہ ہو جب تک اس کی محکم عقل کو نہ جان لو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ محض عبادات تک محدود نہیں بلکہ پورے اسلام کا مقصد ہی عقل وشعور پیدا کرنا ہے، اور کیوں نہ ہو؟ اسلام تو سراپا عقل وحکمت ہے وہ اپنے ماننے والوں کو بہرا، گونگا، اندھا، اور بے عقل نہیں بنانا چاہتا، بلکہ عقل مند بنانا چاہتا ہے اور ان میں ایسا شعور پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہر قدم سمجھ سوچ کر اٹھائے اور ہر بات عقل کی ترازو پر پوری اترے۔ اور ان کی زندگی دوسرے انسانوں کے لئے ایک مثالی زندگی ہو۔ جنہیں دیکھ کر دوسرے انسان اپنی زندگیاں بدلیں، اور دیکھنے والوں کے اندر بھی تقوی اور خوف خدا جیسی عظیم صفات پیدا ہوں۔ ان کو دیکھ کر لوگ اپنے اللہ سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کی فکر کریں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عقل وفہم اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہے، اگر انسان اس سے کام نہ لے تو یہ زنگ آلود ہو جاتی ہے۔ اور شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے متعلق وہی وطیرہ اختیار کر لیا ہے جو اس سے پہلے دیگر اقوام نے اختیار کر رکھا تھا۔ ان سے جب کبھی بھی کسی غلطی کے ترک کرنے اور راہ راست اختیار کرنے کی کہا جاتا تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے: ﴿بل نتبع ما الفينا عليه ابائنا﴾: کہ ہم اس بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے۔

بات یہ ہے کہ جب عقلی وفکری صلاحیتیں کمزور پڑ جاتی ہے تو جمود پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ارتقاء پزیر ممکنات کی نمود ختم ہو جاتی ہے۔ اس صورتحال میں آسان راستہ یہی نظر آتا ہے کہ خود محنت کوشش کرنے کے بجائے دوسروں کی محنت پر اعتماد کیا جائے خود سوچنے میں ایک تو محنت بہت کرنا پڑتی ہے اور دوسرے غلطی کا امکان بھی ہر آن رہتا ہے۔ اس لئے اکثر سہل پسند یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ خطرہ کیوں مول لیا جائے؟ اس تن آسانی کا ایک سبب تو علم، قوت فکریہ اور حریت ضمیر کی کمی ہے۔

اور دوسرا سبب اس دور کے اہل علم کی مجبورانہ حالت ہے، جب انسان معاشی کاروباری اور روزی کے دھندوں میں پھنس جاتا ہے تو اس کے پاس اتنا وقت اور موقع ہی نہیں ہوتا کہ وہ نازک مسائل کی باریکیوں پر غور کرے، اور یہ بھی ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ کچھ عرصہ علم سے دور رہنے سے اور دنیا کے مسائل میں مشغول ہونے کے وجہ سے انسان میں یہ صلاحیت بھی نہیں رہتی کہ وہ علم کی روشنی میں عصر حاضر کے پیچدہ مسائل کو اہمیت دے اور ان کے حل کے لئے غور وفکر کرے، اور امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے۔ کیونکہ یہ کام صرف اہل علم جو مجتہدانہ صلاحیتوں کے مالک ہوں وہی سرانجام دے سکتے ہیں اور جو لوگ علم حاصل کر کے پھر دنیا کمانے اور اس کے دھندھوں میں پھنس کر رہ گئے ہوں گے ایسے لوگوں کو قطعاً اجتھاد کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے وہ صرف اپنے فن میں ہی مجتہد ہوسکتے ہیں۔

۱۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم﴾ : (۵۵) اگر وہ (امن وخوف کی باتوں کو) اللہ کے رسول ﷺ اور اپنے اولی الامر تک لے جاتے تو ان کے استنباط کرنے والوں لوگ اس معلوم کر لیتے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ (استنباط) کیا ہے؟ یہ اجتھاد ہی کا دوسرا نام ہے، اور ہر فن کا ماہر اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ مسلمات اور کلیات کہ روشنی میں پیش آمدہ پیچدگی کو سلجھاتا ہے اور یہی اس کا اجتھاد ہے، ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:

۲۔﴿فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ــــــ﴾: (۵٦) تو ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت ایسی کیوں نہ نکلی جو دین میں تفقہ حاصل کرتی۔

آخر تفقہ فی الدین کیا چیز ہے؟ جسے اللہ تعالی کا قرآن ایک ضروری چیز قرار دے رہا ہے۔ کیا یہ حکم صرف عہد رسالت کے لئے تھا؟ یا پوری امت کے لئے ایک دائمی حکم ہے؟ کیا تفقہ فی الدین اجتھاد کا دوسرا نام ہے؟

قرآن کریم کی سب سے بہترین تفسیر حضور اکرم ﷺ کی حدیث ہے اس سلسلے میں حدیث معاذؓ ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ جو عقل وفکر کے استعمال کے باب میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔

ا۔ان النبی ﷺ لما اراد ان یبعثه (ای معاذ) الی الیمن ۔ قال له: کیف تقضی اذا عرض لك قضاء ؟ قال: اقضی بکتاب الله، قال: ان لم تجد فی کتاب الله ؟ قال: اقضی بسنة رسول الله ﷺ ، قال فان لم تجد فی سنة رسول الله ولا فی کتاب الله؟ قال اجتهد برای ولا آلو ، فضرب رسول الله ﷺ صدره، وقال الحمد لله الذی وفق رسوله لما یرضی رسول الله:(۵۷)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ:

ا۔قرآن کریم وحدیث میں قیامت تک ہونے والے جزئیات موجود نہیں ہیں، اور انہی جزئیات میں اجتھاد کی ضرورت پڑتی ہے، اور یہ اجتھاد رضائے رسول ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ یہ اجتھاد صرف حضرت معاذؓ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے ۔ بلکہ اجتھاد کا دروازہ قیامت تک کے لئے کھلا ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے ہرایرے غیرے کو اجتھاد کی اجازت ہے بلکہ اس کی اجازت صرف ان اہل علم کو ہے جو اجتھاد کی شرائط پر پورا اترتے ہیں۔

۳۔ایک اور حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران، واذا حکم فاجتهد فاخطا فله اجر (۵۸) جب قاضی اپنے اجتھاد سے ٹھیک (درست) فیصلہ کرے تو اسے دہرا اجر ملے گا (ایک اجتھاد کا اور دوسرا درستگی کا) اور اگر اجتھادی فیصلے میں غلطی سرزد ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

مذکورہ بالا روایات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اجتھاد حضور اکرم ﷺ کے دور میں بھی

ہوتا تھا۔ اور آپ نے اہل صحابہ کرامؓ کو اس کی اجازت دے رکھی تھی۔ نیز یہ کہ لوگوں میں سے اہل حضرات کو اجتھاد کی ترغیب دی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صحابہ کرام نے جو فیصلہ کئے ان کی فہرست تو بڑی طویل ہے۔ ذیل میں ہم صرف چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مؤلفة القلوب کو صدقہ کا مستحق قرار دیا ہے، (۵۹) حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اسے بند کر دیا تھا (۶۰)۔

۲۔ عہد رسالت میں ہجو یہ اشعار پڑھے جاتے تھے مگر حضرت عمرؓ نے اس کی ممانعت کر دی تھی کیونکہ اس سے جاہلیت کی گزشتہ عداوتیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ (۶۱)۔

۳۔ عہد نبوی میں مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم ہوتی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں کے بارے میں یہ تقسیم کا سلسلہ بند کر دیا تھا۔ کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ اس سے آنے والی نسلوں کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔ (۶۲)۔

۴۔ عہد صدیقی تک ام ولد کی بیع ہوتی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اسے منع کر دیا۔ (۶۳)۔

۵۔ جمعہ کی پہلی اذان عہد نبوی و صدیقی اور فاروقی میں نہیں ہوتی تھی۔ یہ اضافہ حضرت عثمانؓ کے دور میں ہوا، کیونکہ تاجر حضرات کی مصروفیات اتنی بڑھ گئی تھیں کہ وہ اذان خطبہ سنتے ہی فوراً آکر خطبہ جمعہ نہیں سن سکتے تھے (۶۴)۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ ادوار میں جمعہ کے دن سرکاری چھٹی نہیں ہوتی تھی، ورنہ پہلی اذان کے اجراء کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

مثالیں تو اور بھی بہت ہیں۔ لیکن دیکھنا صرف یہ ہے حضور اکرم ﷺ کے بعد مختصر عرصے میں کتنی تبدیلیاں ہوئی ہیں؟ عبادات سے لے کر معاملات شرعیہ تک میں تبدیلیاں ہوئیں حالانکہ اس دور کا تمدن سمٹا ہوا تھا اور ایک حد تک محدود تھا۔ آج چودہ سو چوبیس سالوں کے حالات کتنے تبدیل

ہوئے ہیں؟ صنعتی اور سائنسی ترقیوں نے تو سوسائٹی کا ڈھانچہ ہی بدل دیا ہے۔

یہ بات بھی قرن اول میں اجتھاد کی۔ اب عصر حاضر میں گوناگوں مسائل نے جنم لیا ہے اور ان کے حل کو ایک چیلنج کے طور پر پیش کیا ہے۔ اب یہ امت مسلمہ کی عمومی اور حاملین شریعت اسلامیہ کی خصوصی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیت کو بروئے کار لا کر ایک طرف امت مسلمہ کی قیادت کا فریضہ سرانجام دے تو دوسرے طرف اسلام کو ایک ضابطہ حیات کے طور پر پیش کرے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ اجتھاد کا فریضہ ہر دور کے اہل علم سرانجام دیتے رہے ہیں۔ جس کی سب بڑی دلیل مختلف مذاہب کا وجود ہے ماضی میں بھی یہ کام اجتماعی شکل میں ہوتا رہا ہے جیسے امام اعظم ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ) (۶۵) کی تشکیل کردہ جماعت نے فقہ حنفی کی تدوین وتشکیل کا کام سرانجام دیا۔ اور بعض اوقات اس کام کے لئے انفرادی کوششیں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن اول الامر کو مقابلے میں مؤخر الذکر کو تلقی بالقبول کم حاصل ہوئی ہے۔ جس کی دلیل دنیا میں مذاہب اربعہ کے پیروکاروں کی تعداد کی کمی بیشی ہے۔

اب اس دور میں بھی اس کام کے لئے اہل علم اپنی جگہ پر مقدور بھر کوششیں کر رہے ہیں۔ جس کی زندہ مثالیں ہندوستان کے صوبہ بہار میں قائم فقہ اکیڈمی (۶۶) اور جدہ مجمع الفقہ الاسلامی (۶۷) ، اور پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل، (۶۸) ہیں۔ ان تینوں اداروں نے امت مسلمہ کی رہبری ورہنمائی میں نہایت قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی موجودہ نسل کہ تعلیم وتربیت اس نہج پر کریں کہ اس میں قرآن فہمی کا ذوق پیدا ہو سکے۔ اور وہ بھی اس بحر بیکراں میں غوطہ زنی کی اہل ہوں تا کہ ایک متبادل قیادت کی فراہمی کے ساتھ مد مستقبل کے اندیشوں اور چیلنجوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

قرآن کریم ایک زندہ کتاب ہے اور اس میں زندہ انسانوں کے حالات وواقعات ہیں۔ یہ زندگی کا ایک مرقع ہے جس میں ہر شخص اپنی تصویر دیکھ سکتا ہے اور اپنے آپ کو تلاش کر سکتا ہے، سورۃ

الانبیاء کی آیت: ﴿لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم افلا تعقلون﴾ (۶۹) کی مختلف تفسیریں ہیں۔ان میں ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ فیہ حدیثکم۔اس میں تمہارا تذکرہ ہے۔اسی بناء پر ایک جلیل القدر تابعی حضرت احنف بن قیسؒ نے ایک دن یہ آیت سن کر قرآن پاک منگوایا کہ دیکھوں کہ میرا تذکرہ اس کتاب میں کہاں اور کن الفاظ میں آیا ہے؟ آپ نے کچھ ورق گردانی کی اور اس آیت پر رک گئے اور فرمایا کہ مجھے میرا تذکرہ مل گیا ہے وہ آیت یہ تھی: ﴿واخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحا وآخرسيئا عسى الله ان يتوب عليهم ان الله غفور رحيم﴾: (۷۰)۔

قرآن فہمی کا راز

اس سلسلے میں عصر حاضر کے نامور سکالر ابوالحسن علی ندوی (۳۱ دسمبر ۲۰۰۰) فرماتے ہیں:
قرآن پاک کے فہم کا اصل دروازہ جب کھلتا ہے جب آدمی بغیر کسی انسانی حجاب کے اس کلام کے ذریعے صاحب کلام سے ہم کلام ہو۔اور اس کا راستہ قرآن مجید کی بکثرت تلاوت ہے، اور نوافل یا بندگان خدا کہ صحبت جو اس کتاب کے حقیقی لذت آشنا اور حقیقت شناس ہیں۔اور جن لوگوں کے رگ و پے میں یہ کلام بس گیا ہو۔ضرورت اس امر کی ہے پڑھنے والا براہ راست تعارف وانس حاصل کرے اور اس کو ایسا محسوس ہو کہ وہ براہ راست مخاطب ہے۔بقول علامہ اقبال:

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب گرہ کشا ہو سکتا ہے رازی صاحب کشاف (۷۱)۔

قرآن فہمی کی شرائط

۱۔قرآن فہمی کی شرائط میں سب سے پہلے اپنے دل کی نگہداشت ہے جو قاری کے لئے ہر حال میں ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ہی دل کے رخ کا صحیح رکھنا بھی نہایت ضروری ہے، اگر دل کا

رخ صحیح نہ ہوتو ہر چیز بالکل بے سود ہو کر رہ جاتی ہے۔

۲۔نیت کی پا کیز گی: اس کا مطلب یہ ہے کہ تلاوت کلام سے مقصد صرف اللہ تعالی کی رضا اور طلب ہدایت ہو، اور کسی غرض کو سامنے رکھ کر اس کی تلاوت نہ کی جائے، اور جو شخص اسی داعیئے کے تحت اس کو پڑھے گا وہ بقدر کوشش توفیق الہی سے فیض پالے گا، اور اگر کوئی اور نیت ہوتو حدیث رسول اللہ ﷺ کے اصول: لکل امری ء ما نوی: کے مطابق وہی چیز پاتا ہے جس کا وہ طالب ہوتا ہے۔قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا وما یضل به الا الفاسقین﴾(۷۲)۔

اللہ بہت سے لوگوں کو اس (قرآن) کی وجہ سے گمراہ کرتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے، اور گمراہ تو صرف فاسق ہی ہوتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿اولئك الذین اشتروا الضلالة بالهدی فما ربحت تجارتهم وما كانوا مهتدين﴾ :(۷۳) یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کیا تو ان کی یہ تجارت ان کے لئے نفع بخش نہ ہوئی، اور وہ ہدایت پانے والے نہ بنے۔

۳۔قرآن کریم کو برتر کلام مانا جائے۔

۴۔قرآن کریم کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو بدلنے کا عزم۔

۵۔اللہ تعالی سے مسلسل اپنی ہدایت ورہنمائی کی دعا کرتے رہنا۔

۶۔قرآن پاک میں تدبر کرنا۔

۴۔چوتھا حق: قرآن پاک پر عمل کیا جائے

قرآن کریم کا چوتھا حق مسلمانوں پر یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، اسلامی تعلیمات کے وسیع دفتر کو اگر ہم دو لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو ہم ان کو ایمان اور عمل صالح سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ایمان اور عمل صالح یہی دو چیزیں ہیں جو پیغمبر اسلام ہادیء برحق حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے پیغام پر حاوی ہیں۔

اور قرآن کریم میں انہی دونوں پر انسانوں کی نجات کا دارو مدار ہے کہ ہمارا ایمان ہر قسم کے شرک سے پاک وصاف اور مستحکم اور عمل نیک اور صالح ہو: ﴿الــذیــن امــنــوا وعــمــلــوا الصالحات﴾: (۷۴) کی تعبیر بیسیوں مقامات پر ہے۔

عمل کے تین حصے ہیں:

ا۔ایک اللہ تعالی سے متعلق ہے اس کو عبادات کہتے ہیں۔

۲۔دوسرا انسانوں کے باہمی معاملات سے متعلق ہے،اس کو معاملات کہتے ہیں اور اس کا ایک بڑا حصہ قانون ہے۔

۳۔تیسرا انسانوں کے آپس کے معاملات اور روابط کی بجا آوری سے متعلق ہے اس کو اخلاق کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعتقادات،عبادات،معاملات اور خلاق مذہب کے یہی چار اجزاء ہیں، اور رسول اکرم ﷺ نے ان چاروں کو انسانوں تک علی وجہ الکمال پہنچایا ہے۔

اسلام کے پیغام میں ہر چیز صاف اور مفصل ہے،نماز،روزہ،زکاۃ،حج،ان کے آداب وشرائط،عبادات کے طریقے خدا کے ذکر اور یاد کی دعائیں،عبادات احکام واوقات،خدا اور بندوں کے درمیان عجز وزاری،دعاو مناجات،گناہوں کے اقرار اور توبہ وندامت،عبدو معبود کے باہمی راز ونیاز کی وہ تعلیمات دی گئی ہیں جو روح کی غذا ہیں،جو دلوں کی گرہیں کھولتی ہیں،جو انسانوں کو ان کے خالق حقیقی تک پہنچا دیتی ہیں،جو مذہب کی روح کو مجسم کر دیتی ہیں۔

اسی طرح معاملات یا مملکت ومعاشرے کے قوانین ہیں،ان میں سے بھی کسی چیز اور حکم کو نہیں ادھورا نہیں چھوڑا بلکہ ہر حکم کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے،خواہ ان کا تعلق امر بالمعروف ونہی عن

المنکر کے ساتھ ہو یا کسی اور پہلو سے اس کو مفصل بیان کیا ہے، اس سلسلے میں نیکی اور بدی کی تبلیغ، کتمان علم، دین فروشی، قول وفعل کے تضاد، مباحثہ کے اصول وضوابط پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

معاملات کے باری میں مال کی کمائی اور خرچ کا معاملہ یا صدقات واجبہ اور نافلہ کی ادائیگی یا کوئی چیز سب کے بارے میں دوٹوک احکامات دیئے ہیں۔

اسی طرح عائلی قوانین کا معاملہ ہے کہ اس میں نکاح، حق مہر، خاوند اور بیوی کے حقوق وفرائض، والدین کے حقوق وفرائض اور اولاد کے حقوق وفرائض، ناچاقی کی صورت میں طلاق، خلع، عدت، ظہار، وراثت، تبنی اور وصیت کی تمام جزئیات کو مفصل بیان کیا ہے، اسی طرح پردے کے احکام پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

اسی طرح حدود وتعزیرات کا معاملہ ہے کہ اس میں زنا، تہمت، چوری، قتل، اور ڈکیٹی اور فساد فی الارض اور قصاص کے احکام کو بیان کیا ہے۔

اسی طرح قوموں کے عروج وزوال کی داستان کو بیان کیا ہے۔

ہجرت وجہاد ان کی اقسام اور ان کے احکام وفضیلت کو بھی بیان کیا ہے۔

ملکی دفاع کا معاملہ ہو یا دیگر اقوام سے عہد وپیمان، جنگ یا امن، دفاعی ضروریات ہو یا مال غنیمت کا معاملہ، مفتوحہ علاقوں اور وہاں کی جائیداد کا مناسب انتظام وانصرام اور جزیہ وغیر تمام جزئیات پر مفصل کلام کیا ہے۔

ملکی سیاست کے سلسلے میں نظام حکومت، انسان کی دنیا میں حیثیت، خلافت ونیابت، حاکم اور رعایا کی صفات ہر ایک کے حقوق فرائض، اہل حل وعقل کی صفات، مشورہ، قانون کی حکمرانی سب احکامات پر برابر زور دیا ہے، (۷۵) اور یہی صورت حال اسلام کے اخلاقی احکام کی ہے، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بقول: سب سے پہلے اس نے بارہ اصولی احکام متعین کیے ہیں، جو معراج میں بارگاہ ربانی سے عطا ہوئے تھے اور جو سورۃ بنی اسرائیل میں مذکور ہیں ان بارہ میں سے گیارہ انسانی

اخلاق اور ایک توحید کے متعلق ہے، گیارہ میں سے پانچ ایجابی اور پانچ سلبی، اور ایک سلبی وایجابی کا مجموعہ ہے:

ا۔ماں باپ کی عزت وفرمانبرداری کر۔

۲۔جن کا تجھ پر حق ہے ان کا حق ادا کر۔

۳۔یتیم سے اچھا برتاؤ کر۔

۴۔ناپ تول، ترازو اور پیمانہ ٹھیک رکھ۔

۵۔اپنا وعدہ پورا کر کہ تجھ سے اس کی پوچھ ہوگی (یہ پانچ ایجابی ہیں)۔

۶۔تو اپنی اولاد کو قتل نہ کر۔

۷۔تو ناحق کسی کی جان نہ لے۔

۸۔زنا کے قریب نہ جا۔

۹۔انجان بات کے پیچھے نہ چل۔

۱۰۔زمین میں غرور نہ کر۔(یہ پانچ سلبی ہیں)۔

۱۱۔فضول خرچی نہ کر بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کر(۷۶)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے اخلاق کی ایک ایک گرہ کو کھولا، انسان کی ایک ایک قوت کا مصرف بتایا، اس کی ایک ایک کمزوری کو ظاہر کیا، روح کی ایک ایک بیماری کی تشخیص کی اور اس کا علاج بتایا ہے(۷۷)۔

انسان کی دنیاوی اور اخروی زندگی میں جو چیز اس کے مفاد میں تھی ان تمام کو اللہ تعالی نے آپنے آخری نبی ﷺ کے واسطے سے تمام انسانوں تک پہنچایا ہے، حضور اکرم ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا تھا: ترکت فیکم الثقلین کتاب الله وسنتی (۷۸) میں تم میں دو مرکز ثقل چھوڑ رہا ہوں، اللہ تعالی کی کتاب اور اپنا عملی راستہ، یہی دونوں مرکز ثقل اب تک قائم ہیں اور تا

قیام قیامت قائم رہیں گے، اسی لیے اسلام کتاب الٰہی کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کی بھی تاکید کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة ﴾(۷۹) لوگو! تمہارے لیے خدا کے رسول کی زندگی میں بہتر پیروی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی کامیابی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو رسول اکرم ﷺ کے طریقے پر پورا کرنے میں ہے، احکامات الٰہیہ پر چونکہ تنہا عقل کی روشنی میں عمل ممکن نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یا ایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعواالرسول ---﴾(۸۰) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿قل اطیعوا الله والرسول﴾(۸۱)۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿واطیعوا الله والرسول لعلکم ترحمون﴾(۸۲) اور حکم مانو اللہ کا رسول تاکہ تم پر رحم ہو۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے، بلکہ ایک جگہ ارشاد ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی ہے: ﴿من یطع الرسول فقد اطاع الله﴾(۸۳)۔

اب سوال یہ ہے کہ جس قوم کے پاس کامیابی کی اتنی بڑی کلید موجود ہو تو پھر بھی اگر وہ ذلت کی گہرائیوں میں گری ہوئی ہے تو اس کے حقیقی اسباب کیا ہیں؟

اس کا آسان جواب تو وہ ہے جو علامہ اقبال نے کہا ہے کہ:

وہ معزز تھے زمانے میں عامل قرآن ہوکر --- ہم خوار ہیں تارک قرآن ہوکر

دوسرے لفظوں میں ہم اسے یوں تعبیر کرسکتے ہیں کہ اس دور کا مسلمان خدا کو تو مانتا ہے لیکن خدا کی نہیں مانتا، اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اپنی عقل کے مطابق بسر کرنا چاہتا ہے، اور دنیا پر انحصار

کر کے کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے، اللہ تعالی نے انسان کی کامیابی دنیا کے مال واسباب میں سرے سے رکھے ہی نہیں ہے، تو اس لئے اس وقت جو مسلمان ہر جگہ ناکامی کا منہ دیکھ رہے ہیں اس کی ذمہ داری بھی خود انھی کے کندھوں پر عائد ہوتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر﴾ :(۸۴) جو بھی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور اللہ تعالی بہت سے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی لعلهم یرجعون﴾: (۸۵) خشکی اور تری میں فساد کا ظہور انسانوں کے اعمال کی وجہ سے ہے، ان کے کام کا کچھ بدلہ ان کو چکھاتا ہے تاکہ وہ لوٹ آئیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ موجودہ پستی کے اصل ذمہ دار خود مسلمان ہیں اور اس سے خلاصی کا واحد راستہ صرف اور صرف احکامات الہیہ کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے ورنہ دنیا کے اسباب اور فلاسفی سب مل کر بھی انہیں اس قعر ذلت سے نہیں نکال سکتے۔

زوال امت مسلمہ کے اسباب وقتاً فوقتاً اہل علم ونظر کی بحث کا موضوع رہے، اس موضوع پر اظہار خیال کرنے والوں میں ایک نمایاں نام علامہ شکیب ارسلان کا ہے، انہوں نے اسباب زوال امت پر ایک مستقل رسالہ سپرد قلم کیا ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ جاوا (انڈونیشیا) کے شیخ الاسلام مولانا محمد بسیونی عمران نے دنیا عرب کے مشہور مفکر اور دانشور علامہ رشید رضا سے ایک سوال کیا تھا: قرآن مجید کے اس وعدہ کے باوجود کہ اہل ایمان دنیا میں باعزت رہیں گیا آج کل کے مسلمان ہر جگہ مجبور ومقہور کیوں ہیں؟ اور ساتھ یہ اصرار کیا کہ اس سوال کا جواب اپنے شہرۂ افاق رسالہ (المنار) میں شائع کریں، علامہ رشید رضا نے یہ سوال اپنے عزیز دوست امیر شکیب ارسلان کو بھیج دیا، امیر کا جواب ایک مکمل رسالہ کی شکل میں شائع ہوا، اور دنیائے اسلام میں بہت مقبول ہوا (۸۶)۔

علامہ شکیب ارسلان کے ذکر کردہ اسباب زوال امت کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔زوال امت کا پہلا سبب جانی اور مالی جہاد سے پہلوتہی ہے(۸۷)۔

۲۔دوسرا سبب اپنے دین اور اپنی قوم سے غداری اور دشمنوں سے وفاداری ہے(۸۸)۔

۳۔تیسرا سبب جہالت ہے(۸۹)۔

۴۔چوتھا سبب کم علمی ہے(۹۰)۔

۵۔اخلاق کا زوال۔علامہ کے بقول ہم نے قرآن کریم کی بتائی ہوئی اچھی صفات بالکل ترک کردی ہیں،اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں قوم کو بنانے اور بڑھانے کے لئے علوم ومعارف کی نسبت اخلاق عالیہ کی موجودگی کہیں زیادہ ضروری ہے۔(۹۱)۔

۶۔علماء اور حکمرانوں کا زوال (یعنی دینی اور دنیاوی میدان میں قیادت کا فقدان)(۹۲)۔

۷۔دردناک بزدلی اور مایوسی ایک وقت تھا ہمارے اسلاف تمام اقوام عالم میں شجاعت کے لئے مشہور تھے۔اور وہ موت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔یہ وہ وقت تھا جب ایک مسلمان تن تنہا دس آدمیوں کا اور بعض دفعہ سو کا مقابلہ کرتا تھا،مگر آج حالت یہ ہے کہ موت کے نام سے بھی ڈرنے لگتے ہیں۔اور جو اس بات سے بھی بے خبر ہیں کہ خوف یہ ایک ایسا امر ہے جو اسلام کے ساتھ کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتا،(۹۳)۔

دنیائے اسلام کے نامور دانشور اور محقق اور شریعت اپیلٹ کورٹس سپریم کورٹ آف پاکستان کے سابق جج نیشنل سکیورٹی کونسل کے ممبر،اور سابق وفاقی وزیر مذہبی امور جناب پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب (موجود نائب صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) کے بقول: امتوں کے عروج وزوال کی داستان جہاں تاریخ کے صفحات پر بکھری ہوئی ہے،جن کا تنقیدی مطالعہ کرکے سنت اللہ کے اصول دریافت کئے جاسکتے ہیں وہاں قرآن مجید میں بھی ایسے اشارے جابجا موجود ہیں جن کو سامنے رکھ کر عروج وزوال امم کے اسباب وعلل مرتب کئے جاسکتے ہیں،قرآن مجید میں امم سابقہ کے واقعات بیان کرنے والے انبیاء علیھم السلام کی زندگیوں کی جھلک دکھانے میں یہی مقصد کارفرما معلوم

ہوتا ہے۔(۹۴)۔

گفتگو ختم کرنے سے پہلے ہم مختصراً مسلمانوں کے گذشتہ عروج کے دنیاوی اسباب پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں، اور اس سلسلے میں ہم علامہ شکیب ارسلان کے الفاظ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے:

مسلمانوں کی گذشتہ ترقیات کا باعث حقیقی، جزیرہ العرب میں اسلام کا ظاہر ہونا تھا، جس نے عربوں کے مختلف فرقوں کو ایک قوم بنا دیا، ان کی وحشیانہ زندگیوں کو متمدن زندگی سے بدل دیا، سخت دلوں کو نرم بنا دیا اور بت پرستوں کو خدائے واحد کے سامنے جھکا دیا، ان کی پہلی روحیں کھینچ لیں اور بالکل نئی روحیں ان کی جسموں میں داخل کر دیں، اس اندرونی تبدیلی ہی سے ان میں اس قدر طاقت پیدا ہو گئی کہ عزت وشان علم وہنر اور دولت وثروت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئے، اور پچاس سال کے عرصے میں آدھی دنیا کو فتح کر لیا اگر حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوان باہمی اختلاف سر نہ اٹھا تا تو مسلمان تمام دنیا کو فتح کر لیتے۔

مسلمانوں کے پچاس یا ستر سالہ کارنامے جن کی قوت کو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی خونریز لڑائیوں اور بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کی ہلاکت خیز جنگوں نے سخت نقصان پہنچایا تھا، تمام دنیا کے مؤرخوں اور فاتحوں کو عقلوں کو حیرہ کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ یورپ کا فاتح اعظم بوناپارٹ مسلمانوں کے اس ٹھان پر ہمیشہ حیران ہوتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ:

حضرت محمد ﷺ نے عربوں کو از سر نو پیدا کیا تھا اور انہیں ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار دے کر فرمایا تھا کہ جاؤ دنیا کو فتح کرو، حکومت کرو اور فائدہ اٹھاؤ(۹۵)۔

اسلام کے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں کہ اسلام کو صرف پچاس سال کے اندر اندر دنیا میں روحانی، عقلی اور مادی فتوحات حاصل ہوئیں، جو اس سے پیشتر کی امتوں کو نصیب نہ تھیں، چنانچہ نپولین ہمیشہ حیرت کے ساتھ یہ کہا کرتا تھا کہ عربوں نے دنیا کو صرف پچاس سال

میں فتح کیا ہے، پس اگر نپولین جیسی ہستی جس کی نظروں میں کوئی بڑی سے بڑی فتح بھی نہ سماتی تھی، عربوں کی فتوحات کو حیرت کے ساتھ یاد کرتے تو سمجھنے والے سمجھ سکتے کہ عربوں نے دنیا میں کتنا عظیم الشان کام اور کتنی حیرت انگیز تہذیب چھوڑی ہے، چنانچہ انھوں نے تقریبا تین چار صدیوں تک دنیا پر اس خوبی وعزت کے ساتھ حکومت کے ساتھ حکومت کی کہ روئے زمین میں کسی دوسری قوم نے کبھی ان کی ہمسری کا دعوی نہیں کیا، لیکن اس بعد آہستہ آہستہ اخلاق کی کمزوری، کم ہمتی، احکام الہی سے غفلت اور باہمی رقابت کی وجہ سے وہ دن بدن کمزور اور مغلوب ہونے لگے، اور اگر قیس اور یمانی قبیلے سرداری اور عزت کے لئے آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے تو یقیناً اہل عرب تمام یورپ کو فتح کر لیتے اور اسی بھی افریقہ کے شمالی حصہ کی طرح ایک عربی ملک بنا لیتے (۹۶)۔

امت مسلمہ کے زوال کے اسباب بیان کرنے اور عروج کی داستان سنانے کے بعد علامہ ارسلان نے بات وہیں پر آ کر ختم کی ہے جہاں سے ہم نے شروع کی تھی کہ موجودہ زوال کے ذمہ دار اہل اسلام خود ہیں اور اس سے نکلنے کا واحد راستہ رجوع الی القرآن والسنۃ ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

پس مسلمانوں پر جس قدر مصیبتیں آئیں، وہ ان کے اپنے اعمال ہی کا نتیجہ تھا، وہ احکام شریعت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مغلوب ہو گئے ہیں جب تک وہ کتاب وسنت کی پیروی کرتے رہے، وہ ترقی کرتے ہے اور دنیا کو فتح کرتے رہے، لیکن جب انہوں نے دین سے روگردانی کی اور قرآن کو محض پڑھنے اور گانے کے برابر سمجھ لیا تو وہ فورا گر پڑے تو دشمنوں نے ان پر قبضہ کر لیا (۹۷)۔

ایک مسلمان کے ذمہ صرف یہی نہیں ہے کہ وہ خود تو نیک کام کرے لیکن اپنے اردگرد سے آنکھیں بند کر لیں، اور یہ سمجھے کہ بطور مسلمان وہ نماز، روزہ، وغیرہ سرانجام دے کر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو رہا ہے، بلکہ خود احکامات الہیہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے۔

۵۔ قران کریم کا پانچواں حق یہ ہے کہ اس کی تعلیمات دوسروں تک پہنچایا جائے:

قرآن مجید نے یہ ذمہ داری ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون (۹۸) تم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف دعوت دے اور نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے، اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

ایک اور جگہ اسی بات کو امت مسلمہ کے خصوصی وصف اور امتیازی نشان کے ساتھ ذکر کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله﴾(۹۹)تم بہترین امت ہو جو نکالے گئے ہو جو لوگوں کے نفع رسانی کے لئے (لوگوں کو) کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور (خود بھی) ایمان لاتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿والعصر ان الانسان لفی خسر، الا الذین امنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر﴾: قسم ہے زمانے کی مقرر انسان خسارے میں ہے، مگر جو لوگ یقین لائے اور اچھے کام کئے اور آپس میں سچے دین کی تلقین کرتے رہے، اور آپس میں تحمل کی تلقین کرتے رہے، یعنی انسان کو خسارے سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے:

ا۔ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے یقین کرے۔

۲۔ دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے، بلکہ جوارح میں ظاہر ہو، اور اس کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو۔

۳۔ تیسرے محض اپنی انفرادی اصلاح وفلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم وملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے، جب دو مسلمان ملیں تو ایک دوسرے کو اپنے قول وعمل سے سچے دین اور ہر معاملے میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔

۴۔ چوتھے یہ ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت ہے کہ حق کے معاملے میں اور شخصی اور قومی اصلاح کے راستے میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر واستقامت سے تحمل کریں، اس کے قدم نیکی کے راستے سے ہرگز نہ ڈگمگانے پائیں، یہ مختصر سی سورت سارے دین و دنیا کا خلاصہ ہے۔

امام محمد بن ادریس الشافعی (۱۵۰۔۲۰۴) نے سچ فرمایا ہے کہ اگر قرآن مجید میں صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تو (سمجھدار بندوں کی) کی ہدایت کے لئے کافی تھی (۱۰۱)۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا: الا فلیبلغ الشاہد الغائب، فرب مبلغ اوعی من سامع، وانتم تسالون عنی، ماذا انتم قائلون؟ قالوا نشہد انک قد ادیت الامانۃ، وبلغت الرسالۃ ونصحت (۱۰۲)۔

حضور اکرم ﷺ چونکہ قیامت تک کے لئے تمام جن وانس کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض (۱۰۳)۔

خلاصہ ہے۔

امام محمد بن ادریس الشافعی (۱۵۰۔۲۰۴) نے سچ فرمایا ہے کہ اگر قرآن مجید میں صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تو (سمجھدار بندوں کی) کی ہدایت کے لئے کافی تھی (۱۰۱)۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا: الا فلیبلغ الشاہد الغائب، فرب مبلغ اوعی من سامع، وانتم تسالون عنی، ماذا انتم قائلون؟ قالوا نشہد انک قد ادیت الامانۃ، وبلغت الرسالۃ ونصحت (۱۰۲)۔

حضور اکرم ﷺ چونکہ قیامت تک کے لئے تمام جن وانس کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض

(۱۰۳)۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا (۱۰۴)۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ پوری انسانیت کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور آپ کا لایا ہوا پیغام ایک عالمگیر پیغام ہے۔

صحیح مسلم میں ہے: آپ نے فرمایا: مجھ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور میں تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں (۱۰۵)۔

حضور اکرم ﷺ تو مختصر وقت کے لئے دنیا میں تشریف لائے اور اپنا فرض ادا کر کے اللہ تعالی کے ہاں تشریف لے گئے اور امت مسلمہ قیامت تک رہے گی۔ تو اب اس دین کے عالمگیر ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ امت مسلمہ کے افراد میں سے ہر فرد اپنے آپ کو اس دین کے لئے تیار کر کے جہاں تک ہو سکے یہ فریضہ تبلیغ دین سرانجام دے کیونکہ ہر انسان اپنی طاقت کے بقدر ہی مکلّف ہے ارشاد باری تعالی: لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت (۱۰۶)۔

تبلیغ دین بڑا اہم فریضہ ہے اور بڑا وسیع موضوع ذیل میں ہم حضور اکرم ﷺ کی چند احادیث ذکر کرتے ہیں تا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ آپ نے کس قدر اہمیت کے ساتھ امت کو اس کام کی تاکید کی ہے، اور اس کام کے ترک پر کسقدر سخت وعیدیں سنائی ہے، عن ابی سعید الخدری قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فالم یستطع فبقلبہ وذلك اضعف الایمان: (۱۰۷)۔

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے اس بات ایک مثال سے واضح فرمایا ہے کہ:

اس شخص کی مثال جو اللہ تعالی کی حدود پر قائم ہے اور اس شخص کی جو اللہ تعالی کی حدود میں پڑنے والا ہے اس قوم کی سی ہے جو ایک جہاز پر بیٹھے ہوں اور قرعہ سے جہاز کی منزلیں مقرر ہوگئی ہوں کہ بعض لوگ جہاز کے اوپر والے حصے میں اور بعض لوگ جہاز کے نیچے کے حصے میں ہوں، جب نیچے

والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ہم اپنے ہی حصے میں آکر پانی لیتے ہیں اگر یہ خیال کریں کہ ہمارے اوپر جانے سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے ہم اپنے ہی حصے میں (یعنی جہاز کے نیچے والے حصے میں) ایک سوراخ سمندر میں کھولیں جس سے پانی یہاں ہی ملتا رہے اور اوپر والوں کو نہ ستانا پڑے۔ ایسی صورت اگر اوپر والے ان احمقوں کی اس تجویز کو نہ روکیں گے اور خیال کریں کہ وہ جانے اور ان کا کام، ہمیں ان سے کیا واسطہ۔ تو اس صورت میں وہ جہاز غرق ہو جائے گا، اور دونوں فریق ہلاک ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ ان کو روک دیں گے تو دونوں فریق ڈوبنے سے بچ جائیں گے(۱۰۸)۔

ایک اور حدیث میں آپ نے بنی اسرائیل کے تنزل کا ذکر فرمایا کہ ان میں سب سے پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص جب کسی دوسرے شخص سے ملتا اور اس کو کوئی ناجائز کام کو کرتے دیکھتا تو اس کو منع کرتا اور کہتا کہ دیکھ اللہ سے ڈر ایسا نہ کر، لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے اس کے ساتھ کھانے، پینے اور نشست و برخاست میں وہ ایسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے کرتا تھا، جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالی نے بعض کے دلوں کے ساتھ خلط ملط کر دیا (یعنی نافرمانوں کے دل جیسے تھے ان کی نحوست سے فرماں برداروں کے دلوں کو بھی ویسا کر دیا، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا: واللہ لتامرن بالمعروف وتنھون عن المنکر ولتاخذن علی ید الظالم ولتاطرن علی الحق اطرا (۱۰۹) کہ اللہ کی قسم تم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو، اور ظالم کو ظلم سے روکتے رہو، اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔

ایک اور حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اور ہو جماعت وقوم باوجود قدرت کے اس کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالی کا عذاب مسلط ہو جایا ہے(۱۱۰)۔

ایک اور حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ: کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اپنے پڑھنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا کو دفع کرتا ہے، جب تک اس کے حقوق سے بے

پرواہی اور استخفاف نہ کیا جائے صحابہ نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی اور استخفاف کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ ارشاد فرمایا کہ: نافرمانیاں کھلے طور پر کیا جائیں اور ان کو بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے (۱۱۱)۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اے لوگوں! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو، تم سوال کرو اور پورا نہ کیا جائے تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کرو (۱۱۲)۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اس امت کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ اپنے قول وفعل سے لوگوں کو قرآن وسنت کی بلائے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سستی یا برائیوں میں مبتلا دیکھے اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے میں مقدور بھر کوشش کرے اور اپنی طرف سے اس کام میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ یہ کام وہی حضرات کر سکتے ہیں جو معروف ومنکر کا علم رکھنے اور قرآن وسنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ساتھ ہوش اور موقع شناس ہوں، ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کر کے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کر دے، یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کا باعث ہو، یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کی جگہ نرمی برتنے لگے۔

باقی رہی یہ بات کہ کئی موقع نہیں ہے۔ امام ابوبکر رازی نے احکام القرآن میں اس پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

دنیا میں جو شخص بھی نیکی کا کام کرے گا یا دوسروں کو اس کی دعوت دے گا تو سب سے پہلے اس کا فائدہ بھی اسی کو ہوگا، ارشاد باری تعالی ہے من عمل صالحا فلنفسہ (۱۱۲) جس نے بھی نیک کا کیا وہ اس کے اپنے لئے ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں قرآن مجید کے حقوق صحیح معنوں میں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

حواشی

۱۔سورۃ البقرۃ آیت ۳۰۔
۲۔سورۃ الحج آیت ۶۵۔
۳۔سورۃ النحل آیت ۵۔
۴۔سورۃ النحل آیت ۱۰۔۱۱۔
۵۔سورۃ النحل آیت ۱۲۔
۶۔سورۃ النحل آیت ۱۴۔
۷۔سورۃ الفاطر آیت ۲۴۔
۸۔سورۃ الرعد آیت ۷۔
۹۔سورۃ البقرۃ آیت ۴۔
۱۰۔سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۷۔
۱۱۔سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۵۔
۱۲۔سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۵
۱۳۔سورۃ النساء آیت ۱۳۶۔
۱۴۔فضائل القرآن ص ۳۰۔
۱۵۔شعب الایمان البیھقی ،فضائل القرآن۔
۱۶۔جامع الترمذی محمد بن عیسی مکتبہ دار السلام الریاض ۱۹۹۹۔
۱۷۔سابق مرجع ونسائی وسنن ابن ماجہ باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ ،حدیث نمبر ۲۰۵۔
۱۸۔فضائل القرآن ص ۵۰۔
۱۹۔سابق مرجع۔
۲۰۔سابق مرجع ص ۸۔
۲۱۔سورۃ المزمل آیت ۴۔
۲۲۔مفردات القرآن للراغب الاصفھانی۔مادہ: رتل،ص ۱۹۲۔
۲۳۔الجامع لاحکام القرآن۔۱۹۔۳۷ ابوعبداللہ بن احمد القرطبی۔دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۳۸۷ھ۔
۲۴۔سورۃ الواقعہ آیت ۷۹۔

۲۵۔معارف القرآن ۸۔۲۸۷ مفتی محمد شفیع ادارۃ المعارف، کراچی۔
۲۶۔سابق مرجع۔
۲۷۔سابق مرجع ۸۔۲۸۷، ۲۸۸۔
۲۸۔فضائل القرآن ص ۱۲۔۲۲۔
۲۹۔فضائل القرآن ص ۲۲۔
۳۰۔سابق مرجع۔
۳۱۔سابق مرجع ۹۔
۳۲۔صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب من لم یتغنی بالقرآن۔
۳۳۔صحیح ابن حبان ومستدرک حاکم وسنن ابن ماجہ۔ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں: اللہ اشد آذانا الی الرجل الحسن الصوت بالقرآن یجھر بہ من صاحب القینۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن۔حدیث نمبر ۱۳۴۰۔(۱۔۴۲۵) تحقیق محمد مصطفیٰ اعظمی شرکۃ الطباعۃ العربیۃ السعودیہ ط:۲،۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴۔
۳۴۔سابق مرجع حدیث نمبر ۱۳۳۶۔القرطبی۔دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۳۸۷ھ۔
۳۵۔فضائل القرآن ص ۴۲۔
۳۶۔سابق مرجع۔اسی سے ملتا جلتا مضمون حضرت جابر کی روایت کا بھی ہے، جسے ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی نے اپنی کتاب سنن ابن ماجہ میں نقل کیا ہے اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: قال رسول اللہ ﷺ: ان من احسن الناس صوتا بالقرآن الذی اذا سمعتموہ یقرا، حسبتموہ یخشی اللہ حدیث نمبر ۴۲۳۔
۳۷۔سابق مرجع ص ۹۔
۳۸۔سورۃ المائدۃ آیت ۱۱۸۔
۳۹۔سورۃ یاسین آیت ۵۹۔
۴۰۔سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۱۔
۴۱۔سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۹۔
۴۲۔سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۹۔
۴۳۔سورۃ الحشر آیت ۳۔
۴۴۔سورۃ التوبہ آیت ۸۱۔
۴۵۔سورۃ البقرۃ آیت ۹۔

۴۶۔سورۃ البقرۃ آیت ۴۴۔
۴۷۔سورۃ الرعد آیت ۳۔
۴۸۔سورۃ محمد آیت ۲۴۔
۴۹۔سورۃ الحجر آیت ۷۵۔
۵۰۔سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۰۔
۵۱۔سورۃ االانفال آیت ۲۲۔
۵۲۔سورۃ یونس آیت ۱۰۰۔
۵۳۔سورۃ الملک آیت ۱۰۔
۵۴۔کتاب الاذکیاء ص ۴، ابن الجوزی طبع مصر۔
۵۵۔سابق مرجع۔
۵۶۔سورۃ النساء آیت ۱۰۴۔
۵۷۔سورۃ التوبہ آیت ۱۲۳۔
۵۸۔سنن ابی داود ۲۔۵۰۵۔
۵۹۔سابق مرجع۔
۶۰۔سورۃ التوبہ آیت ۶۰۔
۶۱۔عمدۃ الرعایۃ حاشیہ وقایہ حاشیہ نمبر ۱۱۔۱۔۲۲۷ محمد عبدالحی ۔باب المصارف ۔طبع الیوسفی، محمد یوسف انصاری ۔فرنگی محل لکھنو ۱۳۴۰۔۱۹۲۲۔
۶۲۔الاغانی ۴۔۱۵ ابوالفرج الاصفھانی مطبوعہ مصر۔
۶۳۔کتاب الخراج ص ۲۳۔۱۲۴ امام ابو یوسف۔
۶۴۔اغاثۃ اللھفان ص ۱۸۱، ابن القیم الجوزیہ مطبوعہ مصر۔
۶۵۔سنن ابی داود، ۱۵۵ طبع کراچی۔
۶۶۔امام ابوحنیفہ کا اصل نام: نعمان بن ثابت ہے، ان کے تفصیلی حالات کے ملاحظہ فرمائیں: شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کی کتاب: سیرۃ نعمان اور امام ابوزہرہ (مصری) کی کتاب حیاۃ ابوحنیفہ۔
۶۷۔یہ اکیڈمی جناب مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کی سربراہی میں دنیائے اسلام کو درپیش مسائل کو حل کرنے کی بڑی منظم کوشش کررہی ہے، اس اکیڈمی نے جدید فقہی مسائل کے نام سے اکیڈمی میں زیر بحث آنے والے مسائل متعدد جلدوں

میں شائع کیے ہیں۔

۶۸۔ یہ ادارہ بھی دنیائے اسلام کے نامور اہل علم پر مشتمل ہے اور امر مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ بڑے احسن طریقے سے سرانجام دے رہا ہے، پاکستان سے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب (سابق جج شریعت اپلیٹ کورٹ، سپریم کورٹ آف پاکستان) اس ادارے کے نائب صدر ہیں۔ اس ادارے میں زیر بحث آنے والے مسائل کا اردو ترجمہ دارالعلوم کراچی کے علمی اصلاحی اور تبلیغی ماہنامہ البلاغ میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

۶۹۔ قیام پاکستان (۱۹۴۷) کے بعد قانون ساز اسمبلی میں اسلامی قانون سازی کے راستے میں حائل روکاوٹوں کو دور کرنے اور حکومت کی دینی امور میں رہنمائی کے لئے یہ ادارہ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کے نام سے قائم کیا گیا تھا، اب اس کا نام اسلامی نظریاتی کونسل ہے اور اس کا صدر دفتر اسلام اباد میں ہے، گو اس کونسل کی حیثیت مشورہ دینے سے زیادہ نہیں ہے لیکن اس نے بہت سے مفید کام سرانجام دیئے ہیں۔ جس میں تعلیمی سفارشات، بلاسود بینک کاری، منصوبہ بندی۔ اور بیمہ زندگی کے بارے میں پیش کی گئی سفارشات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۷۰۔ سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۔

۷۱۔ سورۃ التوبہ آیت ۱۰۲۔

۷۲۔ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر میرے مطالعہ قرآن کی سرگزشت۔ مولانا ابوالحسن ندوی ص ۲۷۲۔ ۲۷۶۔

۷۳۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۹۔

۷۴۔ رۃ البقرہ آیت ۱۶۔

۷۵۔ مقدمہ تدبر قرآن ص۔ ل۔

۷۶۔ سورۃ العصر آیت ۳۔

۷۷۔ ان تمام حوالہ جات کے لئے راقم کا مرتب کردہ خاکہ درس قرآن حصہ اول، دوم ملاحظہ فرمائیں۔ یہ خاکہ دعوہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے اکتوبر ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا ہے۔

۷۸۔ سورۃ الاسراء آیت ۲۳۔ ۲۹۔ ۳۱۔ ۳۷۔

۷۹۔ خطبات مدراس ص ۱۵۴۔ ۱۵۵ سید سلیمان ندوی یونیورسل بکس اردو بازار لاہور۔

۸۰۔ ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں وقد ترکت فیکم مالم تضلوا بہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ حدیث نمبر ۳۱۱۰۔ (۲۔ ۱۹۳)۔

۸۱۔ سورۃ الاحزاب آیت ۲۱۔

۸۲۔ سورۃ النساء آیت ۵۹۔

۸۳۔ سورۃ آل عمران آیت ۳۲۔

۸۴۔سورۃ آل عمران آیت ۱۲۔
۸۵۔سورۃ النساء آیت ۸۰۔
۸۶۔سورۃ الشوری آیت ۳۰۔
۸۷۔سورۃ الروم آیت ۴۱۔
۸۸۔پیش لفظ اسباب زوال امت ص ۴۔ڈاکٹر محمود احمد غازی۔
۸۹۔اسباب زوال امت ص ۹۔
۹۰۔سابق مرجع ص ۲۷۔
۹۱۔سابق مرجع ص ۴۲۔
۹۲۔سابق مرجع۔
۹۳۔سابق مرجع۔
۹۴۔سابق مرجع ص ۴۳۔
۹۵۔سابق مرجع ص ۴۴۔
۹۶۔پیش لفظ سابق مرجع ص ۴۔
۹۷۔اسباب زوال امت ص ۱۱۰۔۷۶۔
۹۸۔سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴۔
۹۹۔سورۃ آل عمران ۱۱۰۔
۱۰۰۔سورۃ العصر آیت ۱۔۳
۱۰۱۔تفسیر عثمانی علامہ شبیر احمد عثمانی مجمع الملک فہد بن عبدالعزیز لطباعۃ المصحف الشریف، مدینہ منورہ سعودی عرب ص ۸۰۲۔
۱۰۲۔خطبۃ حجۃ الوداع ص ۲۴۔۲۹ (مرتبہ و ترجمہ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی۔ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ط ۱۔۱۹۸۰۔
۱۰۳۔سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸۔
۱۰۴۔سورۃ السبا آیت ۲۸۔
۱۰۵۔خطبات مدراس ص ۱۰۵۔
۱۰۶۔سورۃ البقرہ آیت ۲۸۶۔
۱۰۷۔سنن ابن ماجہ باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر حدیث نمبر ۴۰۱۲۔(۲۔۳۸۳)۔

۱۰۸۔ صحیح بخاری بحوالہ فضائل القرآن ص ۱۰۔
۱۰۹۔ سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۴۰۴۵ (۲۔۳۸۲)۔
۱۱۰۔ سابق مرجع حدیث نمبر ۴۰۵۸ (۲۔۳۸۲)۔
۱۱۱۔ فضائل اعمال ص ۱۴۔
۱۱۲۔ سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۴۰۵۲ (۲۔۳۸۱)۔
۱۱۳۔ سورۃ حم السجدۃ آیت ۴۶۔ سورۃ الجاثیہ آیت ۱۵۔

مصادر ومراجع

۱ القرآن الکریم۔

۲ الاصفهانی ابوالقاسم الحسین بن محمد بن المفضل الراغب معجم مفردات الفاظ القرآن الکریم ت ندیم مرعشلی ۔المکتبۃ المرتضویہ لاحیاء التراث والاثار الجعفریہ۔مطبعۃ التقدیم العربی۔ایران ۱۳۹۲۔

۳ الاصفهانی علی بن الحسین بن محمد بن احمد لقرشی الاموی، ابوالفرج (۱۲۸۴۔۳۵۶ھ) الاغانی دارالفکر بیروت۔ ط:ا۔۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۶۔

۴ الاصلاحی امین احسن (۱۹۰۴۔۱۹۹۷) تدبر قرآن فاران فاؤنڈیشن لاہور ط۔ا۔۱۹۸۲ء۔

۵ البخاری محمد بن اسماعیل (۱۹۴ھ۔۲۵۶ھ) الجامع الصحیح دارالسلام الریاض ۱۹۹۹۔

۶ البستی الامام ابوحاتم محمد بن حبان (م ۳۵۴ھ) صحیح ابن حبان ترتیب علاؤالدین علی بن بلبان الفارسی ۷۳۹ھ) ت:شعیب الارزاؤوط وحسین اسد۔دارالفکر بیروت۔

۷ البیهقی الامام ابوبکر احمد بن الحسین (۳۸۴۔۴۵۸ھ) شعب الایمان ابوهاجر محمد سعید بن بسیونی زغلول ۔دارالکتب العلمیہ بیروت ط:۱۴۱۰ھ۔۱۹۹۰۔

۸ الترمذی ابوعیسی محمد بن عیسی (۲۰۰ھ۔۲۷۹ھ) الجامع الترمذی دارالسلام الریاض ۱۹۹۹۔

۹ پانی پتی: قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری ترجمہ مفتی عبدالدائم سعید اینڈ کمپنی ادب منزل کراچی۔

۱۰ ابن الجوزی ابوالفرج جمال الدین کتاب الاذکیاء دارالافاق الجدیدۃ بیروت ۱۴۰۳ھ۔

۱۱ ابن القیم الجوزیہ الامام شمس الدین محمد بن ابی بکر بن قیم (۶۹۱ھ۔۷۵۱) اغاثۃ اللهفان فی حکم طلاق الغضبان تصحیح جمال الدین القاسمی مکتبہ الکلیات الازہر مصر ۱۹۷۶۔

۱۲ ابوزہرۃ محمد ابوحنیفہ آثارہ وفقہہ دارالفکر بیروت ۱۹۷۷۔

۱۳ السجستانی الامام ابوداود سلیمان بن اشعث بن اسحاق الازدی (۲۰۲ھ۔۲۷۵) سنن ابی داود مکتبۃ دارالسلام الریاض ط:ا۔۱۹۹۹۔

۱۴ صدیقی محمد میاں ڈاکٹر (ترجمہ خطبہ حجۃ الوداع) ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ط:ا۔۱۹۸۰ء۔

۱۵ غازی محمود احمد ڈاکٹر (مقدمہ اسباب زوال امت) علامہ شکیب ارسلان (ترجمہ اسماعیل حقی) دعوہ اکیڈیمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔

۱۶ القرطبی ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری (م ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۵۲ء۔

۱۷ القزوینی: الحافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید الربعی (۲۰۹ھ ۲۷۳ھ) سنن ابن ماجہ ت: محمد مصطفیٰ الاعظمی شرکۃ الطباعۃ العربیہ السعودیہ مدینہ المنورہ سعودی عرب ۱۴۰۴ھ۔۱۹۸۴ء۔

۱۸ الکاندھلوی: محمد زکریا (۱۳۱۵ھ۔۱۴۰۲) فضائل القرآن (فضائل اعمال) کتب خانہ فیضی لاہور ط:۱۔۱۹۰۸ء۔

۱۹ ندوی ابوالحسن علی (م ۲۰۰۰) سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر) لاہور ۱۹۶۸ء۔

۲۰ ندوی سید سلیمان خطبات مدراس یونیورسل بکس لاہور۔

۲۱ نسائی ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی ابن سنان (۲۱۵ھ۔۳۰۳) سنن نسائی مکتبہ دار السلام الریاض ۱۹۹۹ء۔

۲۲ نعمانی شبلی علامہ سیرت نعمان سنگ میل پبلیکشنز لاہور۔

۲۳ النیسابوری ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم (۱۴۰۵ھ) المستدرک علی الصحیحین دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ء۔

۲۴ النیسابوری الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج (۲۰۴ھ۔۲۶۱) صحیح مسلم مکتبہ دار السلام الریاض ا:۱۹۹۹ء۔